انٹرویو

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب دامت برکاتہم

میزبان: سفیان علی فاروقی

جامعہ دارالتقوی نے فیصلہ کیا کہ ہر شمارہ میں اپنے بزرگ اکابرین کے حالات زندگی اور ان کے قیمتی نصائح عوام الناس تک پہنچانے کا ذریعہ بناجائے اور وقتاً فوقتاً اپنے اکابرین میں سے ایک کا انٹرویو شامل کیا جائے یہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے اور اس سلسلہ کی ابتداء ایک انتہائی محترمؒ خانوادے سے تعلق رکھنے والے ہمارے جامعہ کے استاذ اور ملک کی معروف دینی شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب دامت برکاتہم سے کی جارہی ہے ۔دورانِ انٹرویو ہمارے ساتھ موجود رہے مولانا پروفیسر ابوبکر فاروقی (لیکچرار پنجاب کالج) پروفیسر ڈاکٹر امداد صاحب (سنٹر آف اسلامک اکنامکس اینڈ فنانس سپیرئیر یونیورسٹی) ۔

سفیان علی فاروقی (شعبہ نشرواشاعت جامعہ دارالتقوی لاہور)

ادارہ:۔سب سے پہلے ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت سے کچھ لمحات عنایت کیے اور ماہنامہ دارالتقوی لاہور کو انٹرویو کے لیے ٹائم دیا ،امید ہے کہ اس انٹرویو سے آپ اور آپ کے خاندان خصوصاٍ والد گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا مالک کاندھلویؒ اور آپ کے دادا شیخ الحدیث حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کے حالات زندگی بھی عوام الناس کے سامنے آئیں گے ۔

ادارہ :۔آپ کا نام ونسب ،تاریخ پیدائش و جائے پیدائش کیا ہے ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔میرا نام محمد سعد صدیقی ہے ۔

۲۱ اکتوبر ۱۹۶۰ میں کراچی میں پیدا ہوا ، کاغذات میں تاریخ پیدائش ۱۰ اگست ۱۹۶۱ لکھی ہوئی ہے۔

اس وقت ہم ٹنڈو الہ یار میں رہائش پذیر تھے اور وہاں دارالعلوم اسلامیہ جو کہ دارالعلوم دیوبند کی طرز پر بنا تھا بلکہ اس کا محل وقوع بھی دارالعلوم دیوبند سے بہت مشابہ تھا یعنی دیوبند کا محل وقوع یہ تھا کہ وہ بذات خود ایک چھوٹا سا قصبہ تھا لیکن اس کے ایک طرف بڑا شہر سہارنپور اور ایک طرف بڑا شہر مظفر نگر تھا اسی طرح سے ٹنڈو الہ یار بھی ایک چھوٹا سا قصبہ تھا اور اس کے ایک طرف بڑا شہر حیدر آباد اور دوسری طرف بڑا شہر میر پور خاص تھا اور تقریباً دونوں بڑے شہروں سے فاصلہ بھی اتنا ہی تھا جتنا کہ دیوبند کا دونوں بڑے شہروں سے ۔

وہاں دارلعلوم اسلامیہ میں والد محترمؒ مولانا محمد مالک کاندھلویؒ بن مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ استاذ الحدیث تھے اور مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ شیخ الحدیث تھے ۔

ادارہ :آپ نے دینی و عصری تعلیم کہاں کہاں سے حاصل کی اور کن کن مشہور اساتذہ سے استفادے کے مواقع میسر آئے ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔ابتدائی تعلیم ٹنڈو الہ یار ہی میں حاصل کی اور دس یا ۱۲ سال کی عمر میں وہیں حفظ کیا ،حفظ مکمل ہونے پر والد محترمؒ نے میرے دادا یعنی اپنے والد محترمؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جو یہاں لاہور میں مقیم تھے کو خط لکھا کہ سعد کا قرآن پاک مکمل ہوگیا ہے

تو ان کا فوراً جواب آیا کہ میں آرہا ہوں کو ئی تقریب رکھ لو حضرت اباجی تشریف لائے ، ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت نے بیان فرمایا اس تقریب کی کچھ چیزیں مجھے اب تک یاد ہیں تو اگلے دن صبح کو مجھے بلوایا اور پوچھنے لگے :

بیٹے اب تو کیا کرے گا ؟ مدرسہ میں داخلہ لے گا یا سکول میں ؟۔

تو میں نے عرض کیا کہ اباجی (والد صاحب کو ہم آبیؒ کہتے تھے اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو اباجی) میں تو ان شاءاللہ مدرسہ میں داخلہ لوں گا اس بات پر اباجی بہت خوش ہوئے ،مجھے شاباش دی اور فرمانے لگے :میری ایک نصیحت یاد رکھنا کہ تو اگر دھوپ میں جارہا ہواور تجھے کوئی دیوار نظر آئے اور تو اس دیوار کے سائے میں چلنے لگے پھر تجھے پتا چلے کہ یہ دیوار تو سکول کی ہے تو بیٹے دھوپ میں چل لیجیو دیوار کے سائے میں مت چلیو۔

بعد میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا انتظام فرمایا کہ میں کبھی سکول گیا ہی نہیں ،حفظ کے بعد والد محترمؒ نے وہیں ٹنڈو الہ یار میں ایک ماسٹر صاحب تھے ماسٹر حسن الدین صاحب وہ پرائمری ٹیچنگ کے بڑے ایکسپرٹ تھے ان سے کہا کہ شام کو گھر آکر اسے پڑھا دیا کرو تو پھر پانچویں تک ان سے پڑھا اس وقت پانچویں تک انگریزی نہیں ہوتی تھی ، پانچویں کے بعد ایک اور استاد نے آنا شروع کردیا اس طرح ۱۹۷٤ میں نویں جماعت کا امتحان دیا ۔اس وقت میں لاہور میں میٹرک اکھٹا ہوتا تھا اور ٹنڈو اللہ یار میں نویں اور دسویں کا امتحان الگ الگ ہوتا تھا ،نویں جماعت کا

رزلٹ ابھی نہیں آیا تھا کہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا انتقال پر ملال ہوگیا اور ہم لاہور چلے آئے ۔

لاہور آکر بھی میرا یہی پروگرام تھا کہ میں ۱۰ ویں کا امتحان وہیں ٹنڈو الہ یار میں جاکر دوں تاکہ نویں کے پرچے ضائع نہ ہوں لیکن یہاں آکر ایک تو یہ مشکل تھی کہ وہاں کا نصاب نہیں ملتا تھا دوسرا پڑھانے والا کوئی نہیں تھا سو پھر ارادہ یہ ہوا کہ پورا میٹرک ہی یہاں کرلیا جائے تو ایک ماہ کی تیاری کے بعد میں نے مکمل میٹرک کا امتحان یہاں لاہور میں دیا اور الحمد للہ کامیاب ہوگیا۔

حفظ کے بعد وہاں ٹنڈو الہ یار میں درسِ نظامی کا آغاز بھی کردیا تھا یعنی دینی و عصری تعلیم اکھٹی چل رہی تھی صبح مدرسہ جانا ہوتا اور شام کو ماسٹر صاحب پڑھانے آجاتے تھے ۔وہاں درجہ اولی میں ہمارے استاد مولانا عمر محمد سواتی تھے وہ صرف و نحو کے بڑے ماہر تھے تو ابتدائی تین سال تقریباً مسلسل ان سے پڑھتا رہا صرف میر ، نحو میر وغیرہ ان ہی سے پڑہیں اس کے علاوہ وہاں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں مولانا ڈاکٹر یوسف فاروقی صاحب بھی پڑھاتے تھے ان سے میں نے اصول الشاشی پڑھی ان کا اندازِ تدریس بہت شاندار تھا اور مجھے آج تک ان کے اسباق اور باتیں یاد ہیں ، تین سال یعنی درجہ ثالثہ تک کی تعلیم ٹنڈو الہ یار میں حاصل کی پھر جون ۱۹۷٤ میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی وفات حسرتِ آیات ہوئی ،مولانا کی وفات سے پہلے بیماری کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا جب مرض میں شدت ہوئی تو والد محترمؒ وفات سے

تقریباً ۱۲ دن پہلے خدمت کے لیے لاہور تشریف لے آئے ،میں اس وقت ٹنڈو الہ یار ہی میں تھا
۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے جنازے میں بڑے بڑے اکابر علماء کرام موجود تھے ،مولانا احتشام الحق تھانویؒ کراچی سے تشریف لا چکے تھے اب سب سوچ رہے تھے کہ جنازہ کن سے پڑھوایا جائے تمام اکابر نے جنازہ پڑھانے کے لیے مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کو کھڑا کردیا یوں والد گرامیؒ نے اپنے والد محترمؒ کا جنازہ پڑھایا ۔

اس کے بعد اکابر علماء کرام اور جامعہ اشرفیہ لاہور کی شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ والد محترمؒ ٹنڈو الہ یار سے لاہور شفٹ ہوجائیں اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی مسند کو سنبھالیں لیکن والد صاحب کے لاہور منتقل ہونے کا اصل محرک جو بنا وہ یہ تھا کہ اباجی کی وفات کے کچھ دن بعد مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اہلیہ محترمہؒ نے والد صاحب کو بلایا اور پردہ میں فرمایا کہ " میں تمہیں بحیثیت اہلیہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم دیتی ہوں کہ آپ لاہور شفٹ ہوجائیں"
۔

ٹنڈو الہ یار کی رہائش چھوڑنا والد صاحب کے لیے بہت بڑا چیلنج تھا والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے وطن کاندھلہ میں اتنا نہیں رہا جتنا ٹنڈو الہ یار میں رہا ہوں ،۱۹۵۰ میں والد صاحب نے پاکستان ہجرت کی تھی اور ۱۹۵۰ سے لیکر ۱۹۷٤ تک ٢٤ سال کا عرصہ اور قمری مہینوں کے لحاظ سے ٢٥ سال کا عرصہ والد محترمؒ نے ٹنڈو الہ یار میں گزارا۔

والد محترمؒ نے پہلے حفظ کیا پھر تھانہ بھون چلے گئے وہاں ابتدائی کتابیں پڑہیں پھر دارالعلوم دیوبند چلے گئے پھر جامعہ اسلامیہ ڈھابیل چلے گئے اور وہاں سے فراغت ہوئی ،فراغت کے بعد ایک سال غالباً ١٩٤٥ یا ١٩٤٦ میں ایک سال بہاولپور مدرسہ میں پڑھایا جو کہ ایک قدیم مدرسہ ہے اور غالباً ١٩٣٧ یا ١٩٣٨ میں قائم ہوا تھا ۔مجھے ایک سال قبل وہاں جانے کا اتفاق ہوا وہاں انہوں نے مجھے وہ کتابیں بھی دکھائیں جو والد محترمؒ کے زیر مطالعہ تھیں اور ان میں جگہ جگہ والد محترمؒ کے لکھے گئے حواشی بھی موجود تھے ۔جب والد محترمؒ یہاں سے جانے لگے تو انہوں نے کہا کہ آپ تو جارہے ہیں یہ کتابیں یہاں چھوڑ جائیں تا کہ استفادہ ہوتا رہے تو والد محترمؒ نے ساری کتابیں ان کے مدرسہ کو دیدیں ۔

مولانا بدر عالم میرٹھیؒ میرے والد محترمؒ کے استاد تھے اور ان کے بیٹے مولانا آفتاب والد محترمؒ کے شاگرد تھے اور مدینہ منورہ میں مقیم تھے پاکستان آنا ہوتا تو لاہور ہمارے ہاں ضرور تشریف لاتے ،میں نے ایک بڑا عجیب منظر دیکھا کہ والد محترمؒ اور مولانا آفتاب صاحب جب دونوں بیٹھے ہوتے تو بڑی عجیب کیفیت ہوتی جو میں محسوس کرتا تھا کہ والد محترمؒ ان کا احترام کرتے تھے کہ وہ ان کے استاد کے بیٹے ہیں اور وہ والد محترمؒ کا احترام کرتے تھے کہ وہ ان کے استاد ہیں یہ باہم ادب و احترام کا ایک حسین امتزاج تھا جو کہ بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے ۔

ان سے والد محترمؒ کی بے تکلفی بھی تھی والد محترمؒ فرماتے ہیں کہ بہاولپور میں ہم تینوں ایک ہی مکان میں رہتے تھے (مولانا بدر عالم میرٹھیؒ ، والد محترمؒ اور مولانا آفتاب صاحب)گرمی بہت شدید تھی رات کو صحن میں سوتے تھے صرف ایک پنکھا ہوتا تھا پیڈسٹل فین اور یہ بیچارہ آفتاب

ساری رات ایک بغل میں چارپائی اور ایک میں بستر ا دبائے پھرتا رہتا تھا کیوں کہ اگر ایک طرف پاؤں کرتا تو پنکھے سے دور ہوجاتا اور گرمی لگتی ،ایک طرف پاؤں کرتا تو قبلے کی طرف ہوجاتے ،ایک طرف پاؤں کرتا تو مولانا بدر عالمؒ کی طرف ہوجاتے ،ایک طرف پاؤں کرتا تو میری طرف ہوجاتے بچارا ساری رات یونہی پھرتا رہتا تھا صبح جب نماز کے بعد ہم مطالعہ میں مصروف ہوجاتے تو پھر یہ سوتے تھے ۔

بہاولپور سے سے والد محترمؒ ڈھابیل واپس چلے گئے پھر وہاں سے سن ۱۹۵۰ میں کراچی ہجرت کی وہاں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے حکم دیا کہ آپ ٹنڈو الہ یار چلے جائیں یوں پھر والد محترمؒ نے ٹنڈو الہ یار میں سکونت اختیار کی اسی لیے وہ فرماتے تھے کہ میں اپنے وطن کاندھلہ میں اتنا نہیں رہا جتنا ٹنڈو الہ یار میں رہا ہوں ۔

یوں میرا بچپن اور لڑکپن ٹنڈو الہ یار میں گزرا اور جب ہم لاہور شفٹ ہوئے تو میری عمر اس وقت غالباً ۱۵ یا ۱٦ برس تھی اس دوران میں حفظ کرچکا تھا درسِ نظامی کے تین سال مکمل ہوچکے تھے اور نویں کے پیپر دے چکا تھا ،درجہ رابعہ میں یہاں جامعہ اشرفیہ آکر داخلہ لیا لیکن ہوا یوں کہ ہدایۃ النحو اور کافیہ میں پڑھ کر آیا تھا یہاں جامعہ اشرفیہ کے نظام میں شرح جامی درجہ ثالثہ میں پڑھائی جاتی تھی اور وہاں جامعہ اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں شرح جامی درجہ رابعہ میں پڑھائی جاتی تھے اور یہاں درجہ ثالثہ تک کے اسباق نیلا گنبد میں ہوتے تھے اور درجہ رابعہ سے آگے کے درجات فیروز پور روڈ میں تھے اگر درجہ ثالثہ میں داخلہ لیتا تو مجھے روزانہ نیلا گنبد جانا پڑتا تو والد محترمؒ نے مولانا عبیداللہؒ سے بات کی تو میری وجہ سے اس سال شرح جامی درجہ رابعہ

کے ساتھ پڑھائی گئی اور مولانا مشرف علی تھانویؒ نے شرح جامی پڑھائی بعد میں انہی سے ہدایہ بھی پڑھی۔

درجہ رابعہ سے دورہ حدیث شریف تک جامعہ اشرفیہ میں پڑھا اور ۱۹۷۸ھ بمطابق ۱۳۹۸ھ میں فراغت ہوئی ۔۱۹۷۵ میں پرائیویٹ میٹرک کیا ،۱۹۷۷ میں انٹر کیا یعنی عصری و دینی تعلیم ساتھ ساتھ چلتی رہی اس کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ عصر تک مدرسے کے اسباق اور اس کے بعد شاہ عالمی میں ایک پرائیویٹ کالج تھا پاک سٹینڈرڈ کالج جس کی شہرت کافی اچھی تھی وہاں داخلہ لیا ،شروع شروع میں کالج بس سے جانا ہوتا تھا لیکن اس میں کافی وقت لگ جاتا تھا اس وجہ سے پھر میں نے سائیکل لے لی اور سائیکل پر جانے لگا ،اچھا حسن اتفاق ایسا ہوا کہ جس دن میرا انٹر کا آخری پیپر تھا اس دن میرا دورہ حدیث کا پہلا سبق تھا پھر میں نے فیصلہ کیا کہ اس سال عصری تعلیم کو موقوف کردیا جائے اور پوری توجہ دورہ حدیث شریف کے اسباق پر دی جائے یوں دورہ حدیث شریف کے اسباق بہت اہتمام سے پڑھے ،بخاری شریف والد محترمؒ سے پڑھی ، صحیح مسلم شریف مولانا عبدالرحمن اشرفیؒ سے پڑھی ،سنن ابی داؤد مولانا صوفی محمد سرورؒ سے پڑھی ، جامع ترمذی مولانا موسی خان صاحبؒ سے پڑھی ،نسائی اور ابن ماجہ کے باقاعدہ اسباق نہیں ہوتے تھے اس وقت بس بطور برکت کے پڑھائے جاتے ،مولانا محمود اشرف عثمانیؒ بھی میرے اساتذہ میں سے ہیں ان سے مختصر المعانی پڑھی ،مولانا وکیل احمد شیروانی ،مولانا نور محمود ، مہتمم جامعہ اشرفیہ مولانا عبید اللہ اشرفیؒ نے ہمیں جلالین پڑھائی ۔

والد محترمؒ کا سبق دو ڈھائی گھنٹے کا ہوتا تھا اور وہ اس روانی اور زبردست طریقے سے پڑھاتے تھے کہ وقت کا پتا نہیں چلتا تھا ،وہ کوئی نوٹس وغیرہ لکھ کر نہیں لاتے تھے جس کتاب سے والد محترمؒ پڑھایا کرتے تھے میں اسی نسخہ سے جامعہ دارالتقوی لاہور میں پڑھارہا ہوں، والد محترمؒ نے بخاری شریف کو چار جلدوں میں مجلد کروایا ہوا تھا ،والد محترمؒ پہلے دن کتاب لیکر جاتے اور فرماتے کہ کون طالب علم ہے جو باقاعدگی سے آئے گا اور چھٹی نہیں کرے گا تو جو طالب علم اپنا نام پیش کرتا تو وہ کتاب اس کو دے دیتے اور فرماتے کہ جب تم صبح کو اپنی کتاب لیکر آؤ تو ساتھ میری کتاب بھی لے آنا اور مطالعے کا معمول یہ تھا کہ بس رات کو سوتے وقت تھوڑا سامطالعہ فرماتے اور صبح پہلا سبق انہی کا ہوتا تھا فجر کے بعد والد محترمؒ اشراق تک مسجد میں تشریف فرما رہتے اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہتے اشراق پڑھ کر تھوڑا سا مطالعہ فرماتے اور اس کے بعد ناشتہ کرکے سبق کے لیے آجاتے تھے پھر دو ڈھائی گھنٹے مسلسل روانی کے ساتھ سبق پڑھاتے تھے اور وقت کا پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ کیسے گزر گیا ،حضرت والد محترمؒ کو ملکہ حاصل تھا کہ جب کسی اختلاف کو بیان کرتے تو دونوں طرف کا موقف ایسے زبردست اور جامع انداز میں بیان کرتے کہ یوں لگتا جیسے یہی موقف درست ہے ،والد محترمؒ کا سبق لکھنا بہت مشکل تھا اور قلم ان کی روانی کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا پھر بھی چند ایک شاگردوں نے بخاری شریف کے اسباق لکھے ہیں جن میں میں بھی شامل ہوں اور وہ کاپی ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے الحمد للہ ۔میں اسی کی مدد سے بخاری شریف پڑھاتا ہوں ،اگر وہ کاپی میرے پاس نہ ہوتی تو کیا پتا میں بخاری پڑھا بھی سکتا یا نہیں ۔

میری فراغت پر والد محترمؒ نے ایک بڑی دعوت کی جس میں مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب صاحبؒ بھی تشریف لائے ان سے بھی ہمیں حدیث کی اجازت حاصل ہے مسلسلات میں بھی ،مسلسل بالتمر، مسلسل بالشرب ،مسلسل بالتبسم یہ سارے مسلسلات قاری محمد طیب صاحبؒ سے حاصل ہوئے اور غالباً ایک کتاب کا پہلا سبق بھی انہوں نے پڑھایا تھا۔

والد محترمؒ نے جو اسناد ہمیں عطا فرمائیں ان میں ایک بڑی سند ہے جس میں وسائط بہت کم ہیں اور وہ سند یوں ہے کہ اگر وہ سند میں بیان کروں تو میں نے (ڈاکٹر محمد سعد صدیقی نے)اپنے والد (مولانا محمد مالک کاندھلویؒ)سے انہوں نے اپنے والد (مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)سے انہوں نے اپنے والد (مولانا محمد اسمعیلؒ)سے پڑھا اور میں نے جب'' جامعہ دارالتقوی ''لاہورمیں اسباق شروع کیے تو طلباء کو اسی سند سے اجازت دی تھی اور کہا تھا کہ باقی اسناد سے سبق ختم ہونے کے بعد اجازت دونگا ،وہ سند الحمد للہ زیورِ طبع سے آراستہ ہورہی ہے اور عام طور پر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒاس سند سے اجازت نہیں دیتے تھے ۔

دورہ حدیث سے فراغت کے بعد پھر بی اے میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۱ یا ۱۹۸۲ میں مکمل ہوا اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے ،اس کے بعد ایم اے ۱۹۸۴ میں کیا اور ۱۹۸۵ میں اس کا رزلٹ آیا۔

اس کے بعد میں نے نیچر آف جاب اور پلیس آف جاب کی پرایوٹیز بنائیں ،پلیس آف جاب میں پہلے نمبر پر لاہور ،دوسرے پر اسلام آباد اور آخر میں پورے پاکستان میں کہیں بھی اسی

طرح نیچر آف جاب میں پہلے نمبر پر ریسرچ ،دوسرے پر ٹیچنگ اور آخر میں اپنی نیچر آف جاب تھا ۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا یوں کہ ۳۰ جون ۱۹۸۵ کو میرا رزلٹ تھا اسی دن قائد اعظم لائبریری میں ریسرچ آفیسر کی پوسٹ کی آخری تاریخ تھی میں نے تگ و دو کرکے اسی دن اپلیکیشن جمع کروادی اور ۲٤ جولائی کو میرا انٹرویو ہوا اور ۲۹ جولائی سے جوائن کرلیا اس طرح پلیس آف جاب اور نیچر آف جاب میں جو پہلے نمبر پر تھے وہ ہی پورے ہوگئے پھر اسی دوران ہی پی ایچ ڈی بھی شروع کردی اور قائد اعظم لائبریری ہی میں کئی آرٹیکل لکھے ایک کتاب بعنوان ''علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمات ''کے نام سے لکھی جس میں ٤۰۰ سے زائد محدثین کا ذکر کیا اب اس پر مزید کا م کررہاہوں پہلے ۱۹۸۸تک کے محدثین کا ذکر تھا اب اس کے بعد کے محدثین پر کا م ہورہا ہے ، اس کتاب کے سلسلہ میں اسفار بھی کیۓ کئی یونیورسٹیز میں اس موضوع پر ہونے والاکام بھی دیکھا جیسے سندھ یونیورسٹی جامشورو ، ٹھٹھ کے کتب خانے دیکھے ،کراچی میں پیر آف جھنڈا شریف کتب خانے کا کچھ حصہ کراچی میوزیم میں رکھا گیا ہے اسے بھی دیکھا وغیرہ ۔ایک کتاب تحریر کی جس کا عنوان تھا ''مسلمان مورخین کا اسلوبِ تحقیق''جس میں اکابر مورخین یعنی ابن سعد ،ابن کثیر ،ابن اثیر ،طبری وغیرہ کا جو اسلوب تحقیق تھا اس کو ذکر کیا گیا ،پھر ایک کتاب دکتور محمود طحانؒ کی تیسیر مصطلح الحدیث کا اردو ترجمہ کیا ''اصطلاحات حدیث ''کے نام سے اسے قائد اعظم لائبریر ی نے چھاپا اور بعد میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے اسے اپنے نصاب میں شامل کیا ۔

ادارہ:۔پی ایچ ڈی کب مکمل ہوئی اور تھیسیس کا موضوع کیا تھا ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔پی ایچ ڈی میں تھیسیس کا موضوع تھا ''مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تفسیری خدمات ''مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا ایک تو حاشیہ ہے بیضاوی پر ''الفتح السماوی بتوضیح تفسیرالبیضاوی ''اور اصول التفسیر پر مخطوطہ ہے ''مقدمۃ التفسیر''دونوں ابھی شائع نہیں ہوئے ،اس کے علاوہ معارف القرآن یہ ان کا بہت بڑا کام ہے یوں سمجھئے کہ ان کی زندگی کے مطالعے کا خلاصہ ہے کیونکہ یہ ترجمہ زندگی کے آخری دنوں تک چلتا رہا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ سورۃ صافات کی آخری آیات کا خلاصہ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون ،وسلم علی المرسلین، والحمدللہ رب العلمین۔ان آیات کی تفسیر لکھی اس کے بعد بیماری کا سلسلہ شروع ہوگیا اور اسی بیماری میں ان کی وفات ہوئی ،پھر سورۃ ص سے ختم قرآن تک والد محترمؒ نے مکمل فرمایا ۔واقعہ یوں ہوا کہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی وفات کے بعد مولانا محمد زکریا صاحبؒ ہمارے گھر لاہور تشریف لائے تعزیت کے لیے اور والد محترمؒ سے پوچھا کہ تفسیر کہاں تک پہنچی والد محترمؒ نے بتایا کہ سورۃ صافات کی آخری آیات تک تو فرمانے لگے کہ ''اس تفسیر کو مکمل کرو'' والد محترمؒ نے عرض کیا کہ میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ اس تفسیر کو مکمل کرپاؤں تو مولانا زکریا صاحبؒ نے فرمایا کہ :

''یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام نہیں ہے کہ تم اس درجے کے ہو یا نہیں ''

تو پھر والد محترمؒ نے کاغذ حضرت کے آگے کردیا کہ بسم اللہ لکھ دیں تو پھر میں لکھ سکوں گا تو مولانا زکریا صاحبؒ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دیا پھرسورۃ ص سے جو حصہ چھپتا ہے اس میں وہ بسم اللہ کا عکس ویسے ہی مولانا زکریا صاحبؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا چھپتا ہے والد محترمؒ

نے یہ تفسیر مکمل کی اس کے علاوہ ''منازل العرفان فی علوم القرآن '' ''سراج الھدایہ ''وغیرہ بھی ان کی تصانیف ہیں ۔

شیخوپورہ میں والد محترمؒ کے ایک شاگرد نے جلسہ میں میرا تعارف کروایا تو بتایا کہ والد محترمؒ نے اپنے والد کی تفسیر مکمل کی اور مجھ سے سوال پوچھا کہ اگر یہ تفسیر آپ کے والد محترمؒ چھوڑ جاتے اور آپ کو مکمل کرنا پڑتی تو کیا آپ کرتے ؟اس کے جواب میں میں نے عرض کیا کہ والد محترمؒ وفات تک سمن آباد کی جامع مسجد عکس جمیل میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور تین دن اتوار ،پیر ،منگل کو عشاء کے بعد درسِ قرآن دیا کرتے تھے والد محترمؒ کی وفات کے تین چار دن بعد مسجد والے آئے اور انہوں نے کہا کہ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ اب آپ اپنے والد محترمؒ کی جگہ جمعہ پڑھایا کریں گے اور درسِ قرآن دیا کریں گے یوں ۱۹۸۸ سے اب تک وہاں جمعہ پڑھانے کا سلسلہ جاری ہے الحمدللہ ۔

والد محترمؒ کی وفات کے کچھ دن بعد ہی مسجد عکس جمیل والوں نے مجھے جمعہ اور درسِ قرآن طے کیا تو میں نے ان کو کہا کہ جمعہ تو شروع کردیتے ہیں البتہ درسِ قرآن ذرا ٹھہر کر شروع کریں گے اور میں پہلے والدہ محترمہؒ سے مشورہ کروں گا پھر اس کے بعد بتاؤں گا اسی دن رات کو جب میں سویا تو خواب میں والد محترمؒ کو دیکھا کہ جامعہ اشرفیہ کی مسجد ہے او رمیں نے وہاں جمعہ پڑھایا ہے اور جمعہ پڑھاکر واپس جارہا ہوں کہ پہلی صف میں جہاں عمومی طور پر والد محترمؒ بیٹھا کرتے تھے وہیں تشریف فرماہیں میں جاکر ان سے ملا تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ بہت اچھا جمعہ پڑھایا ہے اور وہ درسِ قرآن کا بھی اعلان کردیتے ، میں نے عرض کیا کہ

وہ ابھی شروع نہیں کرنا ذرا ٹھہر کر شروع کرنا ہے فرمانے لگے شروع جب جی چاہے کرلیتے اعلان تو آج کردیتے ، صبح جب میری آنکھ کھلی تو ڈاکٹر منیر الحق جو صدر تھے عکس جمیل مسجد کے اور ہم زلف ہیں مولانا اویس احمد صاحب مہتمم جامعہ دارالتقوی لاہور کے انہیں فون کیا کہ اوپر سے آرڈر آگیا ہے اور پھر جمعہ اور درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا ،والد محترمؒ نے آخری درس دیا تھا منگل کو اتی امراللہ فلا تستعجلو ہ۔بدھ اور جمعرات کا وقفہ تھا جمعرات کی درمیانی شب کو والد محترمؒ کا انتقال ہوا اگلے درس سے میں نے شروع کیا اور الحمدللہ قرآن پاک مکمل ہوا یہ واقعہ پھر شیخوپورہ جلسہ میں سنایا کہ یہ ہے آپ کے سوال کا جواب ۔

اس ضمن میں ایک اور واقعہ سناتا چلوں کہ والد محترمؒ کی وفات ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۸ کو جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب میں ہوئی یہ و ہ دور تھا کہ جنرل ضیاالحق کا حادثہ تازہ تازہ ہوا تھا اور الیکشن ہونے والے تھے اس میں عمومی فضا یا پیش گوئی کی جارہی تھی کہ بینظیر اقتدار میں آجائے گی تو یہ جملہ کئی مرتبہ والد محترمؒ سے میں نے سنا کہ ’’پھر تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پہلے ہی اٹھالے‘‘اور پھر وہ ہی ہوا کہ نومبر میں الیکشن تھا اور اکتوبر میں والد محترمؒ کا انتقال ہوگیا۔

والد محترمؒ کی وفات کے وقت میری پی ایچ ڈی ابھی شروع ہی ہوئی تھی ،میں نے پی ایچ ڈی کا ایک مکمل خاکہ والد محترمؒ کے سامنے رکھا تھا اور تفصیلی ڈسکس بھی کیا تھا بلکہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے اندازِ تدریس کے حوالے سے کچھ انٹرویو بھی کیا تھا والد محترمؒ کا ،مجھے

بہت شوق تھا کہ والد محترمؒ سے وقتاً فوقتاً اس طرح کی رہنمائی لیتا رہوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا ۔

۱۹۹٤ میں میرا پی ایچ ڈی کا تھیسیس مکمل ہوا ،اور ۱۹۹۵ میں پی ایچ ڈی کا نوٹیفکیشن ہوا ۔

ادارہ :۔ آپ کی شادی کب اور کہاں ہوئی ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔میری شادی والد محترمؒ نے ۳ نومبر ۱۹۸۸ کو طے کی تھی اور میری نسبت میری پھوپھی کی طرف طے تھی مولانا مشرف علی تھانویؒ کی بیٹی سے اور والد محترمؒ کو میری شادی کا بہت شوق تھا حالانکہ انہیں گھر کے کاموں کے لیے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی تھی وفات سے ایک دن پہلے یعنی جمعرات کو والد محترمؒ نے اسباق پڑھالئے، جب میں قائد اعظم لائبریری سے واپس آیا تو فرمانے لگے کہ رشید صاحب (والد محترمؒ کے دوست جن کے ہاں عام طور پر ہماری کتابیں چھپتی تھیں) کے ہاں سے کارڈ لے آنا چھپ گئے ہونگے ،والد محترمؒ کا معمول تھا ظہر کے بعد آرام فرمانے کا وہ آرام کی غرض سے لیٹ گئے میں نے رشید صاحب کو فون کیا تو انھوں نے کہا کہ چھپ تو گئے ہیں لیکن ابھی آپ کو دیے نہیں جاسکتے آرٹ پیپر پرچھپے ہیں سیاہی خشک ہونے میں وقت لگے گا ، صبح جمعہ ہے حضرت کے اسباق نہیں ہیں صبح میں خود لیکر حاضر ہوجاؤنگا ،والد محترمؒ نے عصر کے بعد مجھ سے پوچھا تو میں نے ہونے والی گفتگو کا ذکر کیا تو انھوں نے بہت ناگواری کا اظہار فرمایا اور فرمانے لگے ''عجیب آدمی ہے ،لے آتے ،تم جاکے لے آتے بس ، صبح آئیں گے ، صبح کیوں آئیں گے ''اور وہی ہوا کہ صبح

ہونے سے پہلے پہلے والد محترمؒ کا انتقال ہوگیا۔رشید صاحب صبح جب آئے تو زارو قطار روئے جارہے تھے کہ مجھے کیاپتا تھا یہ حادثہ ہوجائے گا میں کارڈ رات کوہی لے آتا۔

میری شادی اپنے مقررہ وقت پر ہوئی جو والد محترمؒ نے طے فرمادی تھی یعنی والد محترمؒ کی وفات کے ٹھیک پندرہ دن بعد۔

والد محترمؒ کی وفات کے بعد ہمارے خاندان کے سارے بڑے بزرگ بیٹھے ہمارے والد محترمؒ کے چچا تھے مولانا محمد ایوب صدیقیؒ ٹنڈو الہ یار میں رہتے تھے وہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے وہ ہمارے خاندان کے اس وقت سب سے بڑے بزرگ تھے تو انھوں نے سب کو جمع کیا ہماری دوسری دادی حیات تھیں انہیں بھی بلایا اور کہاکہ جو مولانا مالکؒ نے تاریخ طے کردی تھی اس کی شادی اسی تاریخ پر ہوگی اور فرمایا کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سال دو سال بعد وہ آجائیں یا ان کا غم کم ہوجائے گا ،نا تو ان کا غم کم ہوگا اور نا ہی وہ آئیں گے ،ان کی متعین کی ہوئی تاریخ ہے اس میں برکت ہے اس کو اسی طرح رہنے دو پھر ویسے ہی ہوا ۳ نومبر کو میری شادی تھی ٤ نومبر کو ولیمے والے دن میری چھوٹی بہن کی شادی تھی وہ بھی والد محترمؒ نے ہی طے کی تھی ،میں وہ منظر میں نہیں بھول سکتا کہ دارالعلوم اسلامیہ کامران بلاک میں نکاح ہوا ،مولانا نجم الحسن تھانویؒ نے نکاح پڑھایا مسجد پوری بھری ہوئی تھی اور اس نکاح کے بعد سب رو رہے تھے اور آواز کسی کی نہیں نکل رہی تھی ۔میں اس زمانے میں قائد اعظم لائبریری میں تھااورہماری ایک کولیگ تھیں مسز زیدی ان کے شوہر زیدی صاحب سیکرٹری ایریگیشن تھے وہ بھی نکاح میں شریک تھے بعد میں میری چھٹیاں ختم ہوئیں اور دفتر گیا تو

کہنے لگیں زیدی صاحب کہہ رہے تھے میں نے اپنی زندگی میں کبھی مردوں کو ایسے روتے ہوئے نہیں دیکھا شاید ہی کو ئی متنفس ہو جو نہیں رو رہا ہو ۔

حضرت مولانا موسی خان صاحبؒ میرے ساتھ کھڑے تھے وہ بار بار مجھے تسلی دے رہے تھے ، والد محترمؒ کے گھر کے ساتھ ہی ان کا گھر تھا والد محترمؒ کی وفات کے بعد جس محبت اور شفقت کا مظاہرہ انھوں نے کیا وہ بیان سے باہر ہے اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائیں ۔آمین ثم آمین۔

شادی کو لیکر ایک بڑا زبردست لطیفہ بھی ہوا کہ چڑیا گھر لاہور میں جب مسجد بنی تو والد محترمؒ اس کے سرپرست تھے اس کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ ہوئی اس میں کسی نے کہا کہ ہمیں جمعہ کے لیے کوئی عالم چاہئے آپ اپنے کسی شاگرد کی ڈیوٹی لگادیں اسی دوران کسی اور صاحب نے کہا کہ شاگرد کی نہیں بلکہ مولانا سے کہیں کہ اپنے بیٹے سے خطابت شروع کروایں ہم انہیں یہاں گھر بھی دیں گے اور ان کا دفتر بھی یہاں سے قریب ہے قائد اعظم لائبریری وہ یہاں سے واک کرتے ہوئے چلے جائیں گے ۔

میری ملازمت کے دوران والد محترمؒ سے ملاقات عموماً ناشتے میں ہوتی تھی چنانچہ اگلے دن ناشتے پر ہم بیٹھے ہوئے تھے اور والد صاحب ہنس ہوئے فرمانے لگے ’’تیرا انتظام کردیا ہے ‘‘۔

میں نے عرض کیا کہ کیا انتظام کردیا ہے ۔

فرمانے لگے ’’چڑیا گھر میں تیرا انتظام کردیا ہے ‘‘۔

میں نے عرض کیا :چڑیا گھر میں ؟کیا مطلب۔

فرمانے لگے ''چڑیا گھر میں تیری رہائش کا بندوبست کردیا ہے ''۔

پھر ہنس کر ساری تفصیل بتائی اور والدہ محترمہؒ سے فرمانے لگے کہ شام کو مولوی مشرف کے پاس چلو اور اس سے کہو کہ سعد کو گھر مل رہا ہے اب فوراً شادی کردو یہ گھر میں اکیلا کیسے رہے گا۔

(بہرحال بوجوہ وہاں جمعہ کا سلسلہ نہیں چل سکا یہ واقعہ غالباً ۱۹۸٦ کا ہے)

ادارہ :۔ آپ کتنے بہن بھائی ہیں ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔ہم دو بھائی ہیں ایک مجھ سے چھوٹا ہے محمد سعید صدیقی او رماشاء اللہ پانچ بہنیں ہیں دو مجھ سے بڑی اور تین چھوٹی ہیں ،دو بڑی بہنوں میں سے ایک لاہور ہیں اور ایک پنڈی میں ان کی شادی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے نواسے سے ہوئی ہے ،تین چھوٹی بہنوں میں سے دو لاہور ہیں اور ایک کراچی میں اور الحمدللہ سب حیات ہیں ۔چھوٹا بھائی والد محترمؒ کی وفات کے بعد ذہنی طورپر بہت ڈسٹرب ہوا اور درس نظامی کا سلسلہ رک گیا بعد میں اس نے بی کام اور ایم بی اے کیا اور آج کل راولپنڈی میں ایک اچھی پوسٹ پر جاب کررہا ہے ۔

ادارہ :۔ آپ کے والد محترمؒ اور دادا جان اپنے نام کے ساتھ کاندھلویؒ لکھواتے تھے اور آپ اپنے نام کے ساتھ صدیقی لکھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔ کاندھلہ چونکہ ایک جگہ کانام ہے اور والد محترمؒ کی پیدائش کاندھلہ میں ہوئی ،ہمارے دادا کا آبائی وطن کاندھلہ تھا اس لیے دونوں حضرات اپنے نام کے ساتھ کاندھلہ لکھتے تھے میں نے زندگی میں کبھی کاندھلہ دیکھا ہی نہیں اور کبھی ہندوستان جا ہی نہیں سکا حالانکہ دوران طالب علمی بڑی خواہش رہی اور تعلیم مکمل ہوتے ہی سرکاری ملازمت شروع ہوئی اس دوران بھی کوشش کی لیکن سرکاری ملازمین کے لیے ہندوستان کے لیے اپلائی کرنے میں بہت مسائل ہوتے ہیں این او سی نہیں ملتا چونکہ میں جانہیں سکا اس لیے اپنے نام کے ساتھ کاندھلویؒ نہیں لکھتا اور صدیقی اس لیے لکھتا ہوں کہ ہمارا نسب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے وہ نسب نامہ بھی الحمد للہ محفوظ ہے ،سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی کچھ اولاد افغانستان آئی اور پھر ان کی کچھ اولاد ہندوستان آئی وہ سلسلہ آگے چلا اور ہمارے آباؤ اجداد الحمدللہ اس کا حصہ ہیں ،سیالکوٹ کے مولانا محمد علی صدیقی ہمارے عزیز ہیں ان کے پاس وہ شجرہ نسب محفوظ تھا اب ان کے غالباً بھتیجے ہیں عمران صدیقی صاحب سندھ میں کہیں رہتے ہیں وہ شجرہ اب ان کے پاس محفوظ ہے بلکہ انہوں نے اب اسے کتابی شکل میں شائع بھی کیا ہے ۔

ادارہ :۔ آپ کی کتنی اولاد ہے ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔ میرے دو بیٹے ہیں اور تین بیٹیاں ہیں ۔

بڑے بیٹے کا نام ابراہیم ہے وہ اسلامی یونیورسٹی بہاولپور میں لیکچرار بھی ہے اور وہیں پی ایچ ڈی بھی کررہا ہے ،دوسرا بیٹا محمد عمر ہے کراچی میں کاروبار کررہا ہے دو نوں کی الحمدللہ شادیاں ہوچکی ہیں اور عمر کے ہاں ایک بیٹا بھی ہے اس نسبت سے میں دادا بھی بن گیا ہوں اور میری بڑی بیٹی کی بھی شادی ہوگئی ہے ۔

محمد ابراہیم اور بڑی بیٹی کی شادی ایک ہی گھر میں ہوئی ہے مولانا مشرف علی تھانوی کے نواسے اور نواسی سے اور یہ نسبت بھی مولانا مشرف علی تھانویؒ نے ہی طے فرمائی تھی ۔

یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ اشرف جو میرے برادرِ نسبتی اور مولانا مشرف علی تھانویؒ کے بیٹے ہیں وہ ملیشیا سے پی ایچ ڈی کرکے آئے ہیں وہ جب واپس آئے تو میں نے ایک دن اہلیہ سے کہا کہ چلو اشرف سے ملنے چلتے ہیں جب ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے تو پھوپھی نے کہا کہ تمہارے پھوپھا جان (مولانا مشرف علی تھانوی) بلا رہے ہیں ،ہم جب ان کے گھر پہنچے تھے تو اس وقت مولانا ڈرائنگ روم میں کچھ مہمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے میں سمجھا کہ مجھے مہمانوں سے ملوانا ہے جب میں جانے لگا تو پھوپھی جان میری اہلیہ سے کہنے لگیں تم بھی جاؤ دونوں کو بلا یا ہے ۔

اس وقت مولانا مشرف علی تھانویؒ اپنے کمرے میں تشریف فرما تھے ہم اب سوچ رہے تھے کہ پتا نہیں کیا بات ہے ؟فرمانے لگے کہ میری آرزو اور تمنا یہ ہے کہ یہ رشتے اس طرح سے

ہوجائیں آصف کے ہاں جو کہ میری بڑی پھوپھی کے بیٹے ہیں فرمانے لگے دیکھ لو ،سوچ لو ،استخارہ کرلو، مشورہ کرلو ۔

میں نے عرض کیا :آپ کا حکم ہمارے لیے سب کچھ ہے یہی استخارہ ہے ،یہی مشورہ ہے بس زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ میری جو بڑی بہن ہیں (جنہیں میں کہتا ہوں کہ اب نا والد ہیں نہ والدہ ہیں تمہی میرے ابا بھی ہو تمہیں میری والدہ بھی ہو) ان سے بس مشورہ کرلوں ،اجازت لے لوں ۔

فرمانے لگے میری بات کرواؤ۔

اتفاق سے وہ میرے بھانجے طلحہ کے پاس گوجرانوالہ آئی ہوئی تھیں میں نے طلحہ کو فون کیاتو کہنے لگا کہ امی کے دانت میں شدید درد تھا ڈاکٹر کے ہاں سے واپس آئی ہیں دوا کھا کر سو گئی ہیں ،میں نے کہا کہ پھوپھا جان بات کریں گے ان کو اٹھا دو ،بہر حال پھوپھا جان نے ان سے بات کی ادھر سے انہوں نے رونا شروع کردیا اِ دھر سے پھوپھا جان نے رونا شروع کردیا بڑی بہن نے کہا کہ اب ابّی نہیں رہے آپانہی ہیں (ہم اپنی والدہ کو آپاں کہتے تھے)اب آپ ہی ہیں ٹھیک ہے جو آپ نے طے فرمادیا ہمیں منظور ہے ۔

ہم اسی وقت آصف کے ہاں چلے گئے مٹھائی وغیرہ لیکر اور ابراہیم گھر تھا اسے کچھ پتا نہیں کہ کیا ہورہا ہے میں نے چھوٹے بھائی سعید کو پنڈی فون کرکے اطلاع دی وہ بہت خوش ہوا اور اس نے ابراہیم کو کال کی اور کہا کہ :

مبارک ہو بھئی مبارک ہو اس نے آگے سے کہا کا ہے کی مبارک ۔

چھوٹے بھائی نے کہا تمہارا رشتہ ہوگیا ہے ۔

ابراہیم نے کہا ہیں کہاں ہوگیا رشتہ ۔

ابو امی تو ماموں سے ملنے گئے تھے۔ یوں الحمد للہ یہ رشتے طے ہوئے مولانا مشرف علی تھانوی کی وفات کے بعد یہ شادیاں ہوئیں اور عمر کی شادی ایک ڈیڑھ سال بعد ہوئی ۔

ادارہ :-تدریسی سفر کا آغاز کب کیا ؟-

حضرت ڈاکٹر صاحب:-میں نے جب بی اے کیا تو اس کے بعد جامعہ اشرفیہ میں دوتین سال تک پڑھایا ،فلپائن سے کچھ طلباءآئے تھے ان کا ہم نے مختصر نصاب بنایا تھا اس میں حدیث،تفسیر ،فقہ اور عربی زبان و ادب شامل تھا یہ چار مضامین انہیں پڑھائے جارہے تھے ،عربی زبان انہیں ہمارے مصری استاد شیخ محمود محمد عبداللہ صاحب پڑھاتے تھے اور حدیث ،تفسیر اور فقہ میں پڑھاتا تھا انگریزی زبان میں اور روزانہ تین گھنٹے کی روزانہ کلاس ہوتی تھی ۔

یونیورسٹی سطح کی تدریس کا سلسلہ یوں شروع ہوا کہ ۱۹۹۶ میں پنجاب یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر کی اسامیاں مشتہر ہوئیں اسلامک سٹڈیز میں ، میں نے مشورہ کیا ڈاکٹر جمیلہ شوکت جو اس وقت چیئرپرسن تھی اور ڈاکٹر خالد علوی صاحب سے وہ والد محترمؒ کے بہت اچھے دوستوں میں سے تھے تو ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے جب آپ نے پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا تو اس وقت آپ کے والد محترمؒ نے کہا تھا کہ یہ پی ایچ ڈی کر لے پھر اس کو آپ کو دیدوں گا ،اب

آپ کی پی ایچ ڈی مکمل ہوگئی ہے لہذا اب آپ اپلائی کردیں ،میں نے اپلائی کردیا اور دسمبر ۱۹۹۵ میں سلکیشن بورڈ ہوا اور ۱۹۹۶ میں پنجاب یونیورسٹی سے تدریس کا آغاز کیا اسسٹنٹ پروفیسر کی صورت میں پھر ۲۰۱۰ یا ۲۰۱۱ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہوا پھر چند مہینوں بعد ہی پروفیسر ہوگیا اور اس کے بعد ۲۰۱۳ میں غالباً حافظ محمود اختر صاحب ریٹائر ہوئے تو صدر شعبہ یعنی ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ہوگیا پھر ہم نے اس ڈیپارٹمنٹ کو **ادارہ** بنایا پھر تین سال میں اس کا چیئرمین رہا پھر تین سال ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹیڈیز رہا جب تین سال پورے ہوئے تو میر ی ریٹائر منٹ میں پونے تین سال باقی تھے وائس چانسلر نے مجھے بلایا کہ ہم آپ کی جگہ کسی اور کو ڈائریکٹر لگانا چاہتے ہیں ہمارے ایک کولیگ تھے ڈاکٹر غلام علی خان انہیں ۔جب یہ مسئلہ انہوں نے سنڈیکیٹ میں رکھا تو وہاں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا سب نے کہا کہ آپ انہیں کیوں ہٹانا چاہتے ہیں وجہ بتائیں ۔

جب میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ بنا تو اس وقت وہاں تین پروگرام ایم اے ،ایم فل او رپی ایچ ڈی چل رہے تھے اور ۲۰۲۱ میں جب میری ریٹائرمنٹ ہوئی ۸ پروگرام چل رہے تھے ٤ یا ٥ ہم بورڈ سے منظور کرواچکے تھے اور ان میں سے بھی ۲ یا ۳ چلنے شروع ہوگئے تھے ۔الحمدللہ ۳۰ سے ۳۵پی ایچ ڈیز میرے ساتھ ہوئیں اور تقریباً٤٠ سے ٤٥ مقالات پورے ہوئے ۔

۱۹ اگست ۲۰۲۱ کو میری ریٹائرمنٹ ہوئی کچھ دن فارغ رہا اس کے بعد مارچ ۲۰۲۲ کو الحمدللہ یہاں سپیرئیر یونیورسٹی لاہورمیں سنٹر آف اسلامک اکنومکس اینڈ فنانس کے وائس چیئرمین اور ڈپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز کے چیئر مین کی حیثیت سے جوائن کیا ۔

ادارہ :۔ اس کے علاوہ آپ کہاں کہاں تدریس فرمارہے ہیں ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔ایک تو جامعہ دارالتقوی لاہور میں دو اسباق میرے ذمہ ہیں بخاری شریف جلد اول اور مشکوۃ شریف جلد ثانی اس کے علاوہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں ایک دن سنن ابن ماجہ کا آخری حصہ میرے ذمہ ہے ۔

ادارہ :۔ علمی اسفار اور بیرون ملک اسفار۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔۲۰۰۸ اور ۲۰۰۹ میں یونیورسٹی آف سائنس ملیشیاء سے پوسٹ ڈاک کیا اس میں پروجیکٹ تھا ''ریسرچ آف میتھاڈالوجی ان علم حدیث''اس میں جرح و تعدیل کی پوری تاریخ اور ارتقاء وغیرہ میں بحث کی گئی اور یہ ہمارے **ادارہ** علوم اسلامیہ کے رسالے ''القلم''میں دو قسطوں میں شائع بھی ہوا ،اس ریسرچ کے کنکلوین میں، میں نے ایک جملہ لکھا ہے کہ :

''کوئی بھی حدیث یا راوی جب تک ان معیارات پر پورا نہیں اترتا اس وقت تک وہ قابل قبول نہیں ۔اور اگر ان سارے معیارات پر پورا اترنے کے باوجود اگر

If a hadith is not reliable, then we have to remove the word "reliable" from our dictionaries and literature.

(اگر حدیث معتبر نہیں ہے تو پھر ہمیں اپنی لغات اور لٹریچر سے ''لفظ معتبر''کو نکالنا ہوگا)

اس کے علاوہ دومرتبہ کانفرنسز کے لیے ملیشیا جانا ہوا اور سب سے زیادہ بیرونی اسفار حج و عمرہ کے لیے ہوئے ۔

ادارہ :۔ آپ کی غیر مطبوعہ تصانیف ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔دروسِ قرآن ''خلاصہ مضامین قرآن حکیم ''کے نام سے چھپنے کے مراحل میں ہے ۔ایک اور تصنیف ۵۰ منٹ میں ایک سپارے کے مضامین کا خلاصہ جس کا عنوان ''خوشبوئے قرآن یا عطرقرآن ''رکھنے کا ارادہ ہے وہ بھی عنقریب چھپ رہی ہے ان شاءاللہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا کام میرے ذمہ لگا دیا ہے کہ مولانا محمد علی صدیقیؒ سیالکوٹ والے وہ معالم القرآن کے نام سے ایک تفسیر لکھ رہے تھے اور ۱۲ پاروں کی تفسیر شائع ہوئی تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا اس کی تکمیل میرے ذمہ لگی ہے اور اس وقت اس پر کام جاری ہے ۔

ادارہ:۔ یہ جو قرآنی نصاب یونیورسٹیز وغیرہ میں شامل ہوا ہے اس کے حوالے سے کچھ فرمائیں ۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔اس سلسلہ میں ہم کافی حدتک شامل رہے اور تقریباً تمام کمیٹیوں کا حصہ بھی رہے ہیں اور اس کے نصاب کے سارے مراحل یعنی پہلے سمیسٹر میں یہ ہوگا دوسرے میں یہ ہوگا یعنی پورے چار سال میں جو تقسیم کیا وہ ہم نے ہی کیا اور اس میں سب سے زیادہ حصہ میرا ہی رہا ہے ۔

ادارہ :۔ملاں اور مسٹر کی تقسیم کو آپ کیسے دیکھتے ہیں ؟اور دینی و عصری تعلیم کے متعلق کیا رائے ہے ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔میں اس تقسیم کو اچھا نہیں سمجھتا ،ہمارے خاندا ن میں بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے دونوں تعلیم حاصل کیں جیسے ڈاکٹر محمود غازیؒ ،ڈاکٹر محمد غزالی صاحب ہیں ،ڈاکٹر یوسف فاروقی صاحب ہیں ،میں یہ سمجھتا ہوں کہ عصری تعلیم میں اسلامک سٹڈیز میں انھی لوگوں نے نام پیدا کیا جو پہلے عالم تھے ۔

ادارہ :۔ایک طالب علم کو کیسا ہونا چاہیئے ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔آج جو ایک سب سے اہم چیز مفقود ہے وہ ہے ادب و احترام خاص طور پر ہمارے یونیورسٹیز کے طالب علموں میں یہ بات مفقود ہے مدارس میں تو ابھی ادب و احترام قائم ہے لیکن جو جدید نظام تعلیم ہے اس میں نہ کلاس کا ادب و احترام ہے نہ کتاب کا ،نہ علم کا اور نہ ہی استاد کا ادب و احترام ہے ۔ادارے کا ،کلاس روم کا ،کتاب کا ،علم کا اور جس سے علم حاصل کررہے ہیں اس استاد کا ادب و احترام بہت ضروری ہے اور اسی بے ادبی کی وجہ سے ہم علمی زوال دیکھ رہے ہیں اگر ڈگریاں ہیں بھی تو اس میں برکت نہیں ہے ۔

ادارہ :۔ہمارے ہاں عموماً تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ جب کوئی طالب علم تعلیم سے فارغ ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اب یہ پریکٹیکل لائف میں آیا ہے تو کیا طالب علم کی کوئی معاشرتی ذمہ داری نہیں ہوتی ؟اور کیا اسے معاشرے کی بہتری کے لیے رول پلے نہیں کرنا چاہئے ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔ہونا چاہیے اور بالکل ہونا چاہئے ،ہم نے اپنے خاندان میں دیکھا کہ بہت سے لوگوں نے درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ حکمت پڑھی اور درس نظامی بعد میں مکمل ہوتا تھا حکمت پہلے مکمل ہوجاتی تھی اب جو زیادہ رواج ہے وہ ہومیوپیتھی کا ہے ہمارے ایک دوست ہیں شیخوپورہ میں مولانا عالم صاحب کے بیٹے مولانا طاہر عالم صاحب وہ ہومیوپیتھک ڈاکٹر بھی ہیں اور ایک مدرسہ کے مہتمم بھی ہیں اس طرح کی معاشرتی سرگرمیوں میں علماء کو بھی آنا چاہئے اور طلباء کرام کو بھی آنا چاہئے ۔

ادارہ :۔ایک دینی ادارے کی کیا ذمہ داریاں ہوتی ہیں معاشرتی بہتری کے لیے ہمارے ہاں عموماً تاثر پایا جاتا ہے کہ معاشرے کے بچوں کو لیا ان کو حافظ یا عالم بنادیا اور بات ختم ۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔دینی ادارے کی سب سے بڑی ذمہ داری روحانی ماحول کو پیدا کرنا ہے اور مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کی کمی ہے اور وہ روحانیت والا ماحول اب کمزور ہوتا جارہا ہے ہمارے دینی مدارس میں اس ماحول کو دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے ۔

ہمارے مولانا مشرف علی تھانویؒ کوشش کرتے تھے اور انہوں نے ایک نظام بھی بنایا تھا مولانا اشرف علی تھانوی کے مواعظ کے سلسلے کا اس سے کافی فرق پڑا لیکن مدارس کے اعتبار

سے اس روحانی تربیت کو بہت ایکٹیو ہونا چاہیئے تاکہ جب ایک طالب علم مدرسہ سے فارغ ہو تو وہ صرف عالم نہ ہو بلکہ مکمل تربیت یافتہ ہو جیسے قاری محمد طیبؒ نے قصہ سنایا کہ میں جب فارغ ہوا تو مجھے والد صاحب حضرت تھانویؒکے پاس لے گئے اور فرمایا کہ عالم تو ہوگیا ہے ''تو ''ساتھ لگا دیا حضرت تھانویؒ سمجھ گئے اور فرمایا کہ اچھا چھوڑ جاو اسے فرمانے لگے والد صاحب مجھے خانقاہ چھوڑ کر دیوبند چلے گئے ہم یہ سمجھے کہ ہم عالم دین بن کے آئے ہیں اتنا پڑھ کر آئے ہیں ہم سے تصنیفی کام لیں گے ،کوئی تحقیقی کام لیں گے کہیں گے حوالے ڈھونڈو ،حدیث ڈھونڈو ہم اس زعم میں تھے حضرت ایک کمرے کے باہر ہمیں لے گئے اور فرمایا یہاں ہر روز عصر کے بعد درس ہوتا ہے لوگ آتے ہیں تم نے یہیں رہنا ہے لوگ آئیں گے یہاں جوتے اتاریں گے تم انہیں سیدھا کر کے رکھنا ۔

فرمانے لگے ایک تو صاحبزادے تھے اوپر سے عالم دین تھے اور اتنے بڑے مدرسے دارالعلوم دیوبند سے پڑھ کر آئے تھے لیکن چونکہ حضرت کا حکم تھا ہم کیا کرسکتے تھے سو ہم نے یہ کیا کہ جو ذرا صاف ستھرے جوتے ہوتے انہیں سیدھے کردیتے اور جو میلے مٹی والے ہوتے انہیں ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے ایک دن مجلس میں بیٹھے بیٹھے حضرت اچانک اٹھ کرآگئے اور دیکھا کہ کچھ جوتے سیدھے رکھے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں ہوئے پھر غور کیا کہ کس طرح کے جوتے سیدھے ہوئے ہیں او رکس طرح کے نہیں پھر ہمیں بڑی ڈانٹ پڑی پھر قاری طیب صاحبؒ فرمانے لگے ہم ٹھیک ہوگئے ۔

خاص طور پر میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو ہمارے ہاں رواج ہوگیا ہے خواتین کے مدارس کا تو یہ بات خواتین میں بہت زیادہ ہے بڑی معذرت کے ساتھ جو خواتین عالمہ بن جاتی ہیں وہ پھر اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتیں۔

ادارہ :۔ ایک استاد کو طالب علم کے ساتھ کیسا ہونا چاہیئے ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔دیکھیں استاد کے بارے میں میری رائے بہت نپی تلی ہے کہ نا تو اتنا بے تکلف ہو کہ بالکل ایک دوستوں کی طرح ہوجائے اور نہ ہی کوئی اس طرح کا رعب و دبدبہ اپنے اوپر طاری کرنا چاہیئے کہ طالب علم اس سے بات کرتے ہوئے یا استفادہ کرتے ہوئے بھی ڈرے ،اگر علم اور تقوی کا رعب ہو تو پھر کوئی اور مصنوعی رعب طاری کرنے کی ضرورت نہیں رہتی یہ علم اور تقوی کا رعب پیدا کرنے کی استاد کو ضرورت ہے ۔

ادارہ:۔ ایک ادارے کو اساتذہ کرام کے لیے کیسا ماحول فراہم کرناچاہیئے ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔ادارے میں اساتذہ کی آمدو رفت کا نظم اچھے انداز میں ہو اگر ممکن ہوتوادارے کی گاڑی فراہم کی جائے اور اگر رہائش ہو تو ذرا اچھی حالت اور اعلی درجے کی ہونی چاہیئے اور اس بات کا اہتمام رکھنا چاہیئے مہتمم صاحب کو کہ اساتذہ کرام کا لباس اور وضع قطع اچھی ہو ایعنی غیر مرتب لباس میلی کچیلی چپلیں پہن کر نہ آئیں بلکہ جیسے پراپر ڈریسنگ ہوتی ہے ویسے آنا چاہیئے اور یہ ہونا چاہیئے کہ انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا اور اس چیز کو اہم سمجھا ہے ۔

ادارہ:۔کیا واقعی مدارس اپنے فضلاء کے معاشی مستقبل کے ذمہ دار نہیں ؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔ہوتے بھی نہیں ہیں اور ہونے بھی نہیں چاہئیں ،دینی **ادارہ** اپنے فضلاء کا دینی ذمہ دار ہوتا ہے ،ان کے عقائد و افکار کا ذمہ دار ہوتا ہے ،ان کے نظریات کا ذمہ دار ہوتا ہے ،ان کی سیرت و کردار کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس تعلیم کا تعلق معاش سے ہے ہی نہیں ۔

ادارہ :۔ جامعہ دارالتقوی کے متعلق کچھ فرما دیں ۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔جامعہ دارالتقوی ہمارے دوست اور جگری دوست مولانا اویس احمد صاحب کا **ادارہ** ہے مجھے دارالتقوی سے آج سے نہیں بہت پہلے سے عقیدت ہے اور میں ان کے انداز تدریس سے اور ان کے شعبہ تحقیق سے بہت متاثر ہوں اور اب جب میرا وہاں جانا ہوتا ہے تو طلباء بہت توجہ سے پڑھتے ہیں اور سارے اساتذہ بہت اہتمام سے آتے ہیں بہت توجہ سے پڑھاتے ہیں اور یہ ایک بہت مثبت پہلو ہے کہ اساتذہ بروقت تشریف لاتے ہیں ۔

ادارہ :۔ماہنامہ دارالتقوی کو کیسا پایا؟۔

حضرت ڈاکٹر صاحب:۔اس کا معیار الحمدللہ بہت اچھا ہے ،مضامین بہت عمدہ ہوتے ہیں ، میرے پاس باقاعدہ ہر ماہ آتا ہے اکثر اس کو دیکھنا ہوتا ہے اور اس میں معیاری مضامین شامل ہوتے ہیں ۔

آخر میں ایم ڈی سپیریئر یونیورسٹی ڈاکٹر چوہدری عبدالخالق صاحب کا ضرور شکریہ ادا کروں گا کہ ان سے جب میں نے ذکر کیا کہ مجھے ہفتہ میں دودن جامعہ دارالتقوی میں حدیث کے اسباق کے لیے جانا ہوتا ہے اور دودن میں اپنے مقررہ وقت سے لیٹ ہوجایا کروں گا تو انہوں نے بخوشی اس کو قبول کیا ۔